اقبال کا تصورِ ابلیس

محمد فرید احمد

Muhammad Fareed Ahmad

Ph.D Scholar, Department of Urdu,

Govt. College University, Faisalabad.

Abstract:

"Iqbal's poetry possess a unique philosophic quality of self-realization, named, "Khudi". He has presented the character of "Satan" like other famous writers, in the light of his theory of self recognition. Although Satan is a symbol of sin and hate yet he is a source of inspiration as he criticizes a man's idle, passive and aimless life reminding him the glory and dignity of his character. It seems, Satan's quality of continuous struggle impresses Iqbal who wants to see the quality of action and self realization in new generation."

اقبال کا کلام اور پیغام سراپا عمل و حرکت ہے۔ وہ عمل پیہم پر یقین رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک ''جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی'' والا فلسفہ ہر جگہ موجزن دِکھائی دیتا ہے۔ وہ زندگی میں سکون، ٹھہراؤ اور جمود کو موت سے تشبیہ دیتے ہیں اور منزل کی جستجو کیے بغیر آگے بڑھتے رہنے کو حقیقت میں زندگی قرار دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ زندگی کے بارے میں اپنے خیالات کا یوں اظہار کرتے ہیں:

زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر وتیشہ وسنگِ گراں ہے زندگی(۱)

اقبال شیطان کو اسی لیے بار بار اپنے فکر و فلسفے کی نظر سے اپنی شاعری کا حصہ بناتے ہیں کہ انھیں معلوم ہے کہ خودی والی بیشتر صفات ابلیس میں موجود ہیں۔ وہ دوسرے شعرا اور علما کی طرح صرف اسے برائی کا پیکر نہیں سمجھتے بلکہ انھیں اس کی ذات میں وہ شمع روشن دِکھائی دیتی ہے جو حرکت، عملِ پیہم، تڑپ اور مسلسل جدوجہد سے فروزاں ہے۔ اقبال کے ہاں شیطان سستی، جمود اور ٹھہراؤ کا کہیں بھی

مظاہرہ نہیں کرتا بلکہ وہ سراپا عمل ہے جو دل یزداں میں کھٹکنا چاہتا ہے اور رقیب بننا چاہتا ہے۔ وہ جبریل کی طرح ہمیشہ درِ یزداں پر عاجزی وانکساری سے سر جھکائے رہنے کو پسند نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جبریل سے زیادہ اپنے آپ کو منوانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ جبریل کی پُرسکون زندگی کا اپنی ہنگامہ خیز زندگی سے موازنہ کرتا ہے۔ وہ اپنی شکست کے تعمیری پہلوؤں کا چرچا کرتا دِکھائی دیتا ہے۔ وہ جبریل کی پُرسکون زندگی کو حرفِ تنقید بناتا ہے۔

دیکھتا ہے تو فقط ساحل سے رزم خیروشر
کون طوفاں کے طمانچے کھا رہا ہے میں کہ تو

آہ اے جبریل تو واقف نہیں اس راز سے
کر گیا سرمست مجھ کو ٹوٹ کر میرا سبو!

میں کھٹکتا ہوں دِل یزداں میں کانٹے کی طرح
تو فقط اللہ ہو ، اللہ ہو ، اللہ ہو(۲)

اقبال ابلیس کو ''راندۂ درگاہ'' اور ''مجسم بدی کا پیکر'' نہیں سمجھتے۔ انھوں نے ابلیس پر بہت سی نظمیں لکھیں جن میں ''نالۂ ابلیس'' (جاوید نامہ) ''نموداد شدن خواجہ اہل فراق ابلیس'' (جاوید نامہ) ''ابلیس کی عرضداشت''، ''جبریل وابلیس'' (بالِ جبریل) ''تقدیر''، ''ابلیس و یزداں''، ''ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام'' (ضربِ کلیم)، ''تسخیر فطرت'' اور ''ابلیس کی مجلسِ شوریٰ'' (ارمغانِ حجاز) جیسی عظیم نظمیں شامل ہیں۔ ان تمام نظموں میں در پردہ انھوں نے ابلیس کی برائی ہی بیان کی ہے، وہ ابلیس کے فکروعمل، جدوجہد اور ذوق وشوق کو سراہتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ابلیس اور اس کے مشیروں میں اب تک ہمت اور استقلال بدرجہ اتم موجود ہے۔ وہ بنی نوع انسان کی مردہ رگوں میں خون دوڑا سکتا ہے اور ان کی زندگی کا جمود ختم کر کے انھیں عمل پر اُبھار سکتا ہے۔

اقبال کا خیال ہے کہ ابلیس میں خودی پائی جاتی ہے، اگرچہ یہ خودی تعمیری نہیں تخریبی ہے۔ بذاتِ خود اس میں بہت سی صلاحیتیں ہیں لیکن اس نے ان کا استعمال غلط طریقے سے کیا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اپنی اصلیت کو پہچانتا ہے اور سعی پیہم اور جدوجہد کا قائل ہے۔ انسان اس کے حملے کی تاب نہیں لاسکتا وہ سادہ لوح اور کمزور ہے اور اس میں ابلیس کے سامنے انکار کرنے کی جرأت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابلیس اس سے نالاں ہے اور ایک طاقتور حریف کی تلاش میں ہے۔ وہ کمزور اور لاچار انسان سے تنگ آ گیا ہے اور خدا سے کسے طاقتور حریف کی تمنا کرتا ہے جو کبھی اس کے دانت بھی کھٹے کر سکے۔ اس طرح کا شکوہ وشکایت وہ ''نالۂ ابلیس'' میں کرتا سنائی دیتا ہے۔ عام مومنوں کا یہ حال ہے

کہ وہ خدا سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ انھیں شیطان سے پناہ میں رکھے لیکن یہاں قابل فکر بات یہ ہے کہ یہاں شیطان کمزور اور ضعیف الاعتقاد انسان سے پناہ مانگتا ہے اور عمل سے فارغ انسان سے نالاں ہے اور خدا سے کہتا ہے:

اے خداوند صواب و نا صواب — من شدم از صحبت آدم خراب!
ہیچ گہ از حکم من سر برنتافت — چشم از خود بست و خودار او نیافت!
خاکش از ذوقِ ابا بیگانہ — از شرارِ کبریا بیگانہ!
فطرت او خام وعزمِ او ضعیف — تاب یک ضرنم نیارد ایں حریف!(۳)

(ج۔ن، ۲۰۹)

ترجمہ: (اے خدائے خیر وشر میں انسان کی محفل سے خراب ہو گیا، اس نے کبھی میرے حکم سر سرتابی نہ کی۔ خود سے آنکھیں بند کر لیں اور اپنے آپ کو نہ پا سکا۔ اس کا وجود ذوق انکار اور شرارِ عظمت کبریائی سے بے بہرہ ہے۔ اس کی فطرت خام اور اس کا عزم کمزور ہے۔)

دراصل اقبال نسل انسانی کو اور بالخصوص مسلمانوں کو عمل پر اُبھارنے کی کوشش کرتے ہیں اور تمام فرعونی طاقتوں کے لیے سینۂ سپر ہونے کے لیے تیار کرنا چاہتے ہیں کہ وہ فرعونی طاقتوں کے سامنے فوراً ہتھیار ڈالنے کی بجائے ان سے مقابلہ پر ڈٹ جائیں۔

اقبال کو ابلیس کے کردار میں مذکورہ بالا خصوصیات کے علاوہ ''فراق'' کی خوبی بھی دکھائی دیتی ہے۔ اس لیے وہ ابلیس کو خواجہ اہل فراق کہتا ہے اور کسی حد تک اس کی مداحی اور ہم نوائی کرتا ہے۔ اس لیے کہ اقبال فراق کو آرزو، جستجو اور ترقی نفس کا سرچشمہ قرار دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابلیس اپنی ذات کی الگ سے پہچان کرانا چاہتا ہے۔ وہ خدا کے قرب کا متمنی نہیں ہے اور نہ اس کی ذات میں اپنے آپ کو گم کرنا چاہتا ہے۔ تڑپ، ہجر اور دُوری اس کے خیال میں فراق کو اور تیز کرتی ہے۔

گفت ، ساز زندگی سوز فراق
اے خوشا سرمستی روزِ فراق
بر لبم از وصل می ناید سخن
وصل گر خواہم ز او مانند سن

ہجر اور دُوری اور اس کی حقیقت کو جان کیٹس بھی یوں بیان کرتا ہے:

"Heard melodies are sweet, but those unheard are sweeter:"**(4)**

ایملی ڈکنسن بھی فراق اور تڑپ کی اہمیت یوں بیان کرتی ہے کہ اگر کامیابی کی اہمیت اور اس

راستے میں پائی جانے والی تڑپ کا پوچھنا ہو تو اس سے پوچھو جو کبھی کامیاب نہیں ہوا کیونکہ جسے اگر منزل مِل جائے تو منزل کی اہمیت وہ رفتہ رفتہ بھول جاتا ہے۔ اس لیے وہ کہتی ہیں:

"Success is counted sweetest by
those who are not succeeded."**(5)**

اقبال کے ہاں ابلیس انسان کی سستی اور کمزوری پر نالاں دِکھائی دیتا ہے۔ وہ اس کے اچھے اچھے ملبوسات اور فربہ جسم کو پسند نہیں کرتا، اسے یوں دکھائی دیتا ہے کہ شاید جنت خالی ہی رہے گی کیونکہ ابن آدم تو کردار سے باغی ہے۔ روز و شب خدا کے فرمان سے سرتابی کرتا ہے تو جنت وہ کیونکر حاصل کرے گا۔ حورانِ خلد کو بھی کھٹکا ہے کہ انسان جنت سے دور ہی ہوتا جارہا ہے۔ اسکے علاوہ ابلیس کو شاید محسوس ہونے لگا ہے کہ اب اس کی ضرورت نہیں کیونکہ جو کام اس کے کرنے والے تھے اب وہ انسان کرنے لگا ہے۔ شاید اب تہہ افلاک اس کی ضرورت نہیں، دیکھیں ''ابلیس کی عرضداشت'' میں:

کہتا تھا عزازیل خداوندِ جہاں سے
پر کالۂ آتش ہوئی آدم کی کفِ خاک
جاں لاغر وتن فربہ و ملبوس بدن زیب
دل نزع کی حالت میں ، خرد پختہ چالاک!
تجھ کو نہیں معلوم کہ حورانِ بہشتی
ویرانئ جنت کے تصور سے ہیں غمناک
جمہور کے ابلیس ہیں اربابِ سیاست
باقی نہیں اب میری ضرورت تہِ افلاک(۶)

اقبال کے ہاں فلسفہ ''تقدیر'' پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ وہ ابلیس کی زبانی تقدیر پرستوں پر تنقید کرتے ہیں۔ تقدیر کے پرستار عمل سے بیگانہ دِکھائی دیتے ہیں۔ ابلیس کا مشیر ''ابلیس کی مجلسِ شوریٰ'' میں اقبال کے فکر و فلسفہ کی ترجمانی کرتے ہوئے ابلیس کی زبان سے تقدیر پرستوں پر یوں تنقید کرتے ہیں:

میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تقدیر کا
میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں(۷)

اقبال کی شاعری میں ابلیس اپنے مشیروں کو دعوت دیتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ وہ اپنے مقصد میں آج تک مصروف ہے۔ وہ اپنے مشیروں کو آج بھی انسان کو راہِ راست سے بھٹکانے کی دعوت دے رہا ہے۔ مصروفِ عمل ہے اور یہی بات اقبال کو اس کی تعریف پر اُبھارتی ہے۔ وہ سراپا عمل ہے۔ دیکھیں وہ ''ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے لیے'' میں اپنے مشیروں کو یوں دعوت دیتا دکھائی دیتا ہے:

لا کر برہمنوں کو سیاست کے پیچ میں!
زناریوں کو دیر کہن سے نکال دو
وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
رُوحِ محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو
فکر عرب کو دے کے فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو!
اہل حرم سے ان کی روایات چھین لو
آہو کو مرغزارِ ختن سے نکال دو!(۸)

اقبال کے خیال میں آدم کی زندگی میں جس قدر رنگینی ہے وہ ابلیس کی بدولت ہے۔ اگر ابلیس نہ ہوتا تو بندۂ آدم کو اپنے اندر چھپی ہوئی صلاحیتوں کا کبھی نہ پتا چلتا۔ وہ اسے عمل پر اُبھارتا ہے۔ اس کے لیے نیکی مشکل اور بدی آسان بناتا ہے۔ اگر نیکی کا راستہ آسان بن جاتا تو انسان کو کبھی اس کی حقیقی رُوح کا پتا نہ چلتا اس لیے اُس نے نیکی کے راستے میں برائی کو مزین کر دیا اور برائی کو اس قدر خوبصورت اور دِل آفریں بنا کر پیش کرتا ہے کہ انسان کا نیکی کی جانب جانا اور برائی کو چاہتے ہوئے چھوڑنا، اس کے اندر قوتِ اردای پیدا کرتا ہے اور یہ سب ابلیس کی بدولت ہے۔

اقبال کے نزدیک ابلیس آج تک اپنے کیے پر پشیماں نہیں ہے اور صدیاں گزرنے کے باوجود مسلسل انسان کو بھٹکانے میں محو ہے۔ اقبال کے نزدیک اس کی یہ قوتِ ارادی قابل ستائش ہے۔ ابلیس نے اس کٹھن مرحلے کو طے کرنے کے لیے یہ سوچا کہ حکمِ سجودِ آدم سے انکار کر دوں، خدا اس سے ایسا ناراض ہوگا کہ ہمیشہ کے لیے اطاعت، محبت اور واپسی کے راستے بند ہو جائیں گے لیکن جو اس نے فیصلہ کر لیا آج تک اس پر قائم ہے اور آج تک اس کے قدم نہیں ڈگمگائے۔

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ''فکرِ اقبال'' میں اس کافر کے ارادوں میں عمل پیہم پر یقین کی طرف یوں اشارہ کرتے ہیں:

''اس کی اسی اثبات کی داد دیجیے کہ اس ارادے میں آج تک متزلزل نہیں ہوا۔ اس نے اس افکار سے تمام کائنات میں خیر وشر کی پیکار شروع کر دی۔ اس جنگ میں تنہا ہے۔ مجروح ہوتا ہے لیکن ہمت نہیں ہارتا۔ سیکڑوں پیغمبروں کو دیکھ چکا ہے لیکن ابھی تک کافر کا کافر ہے۔''(۹)

اسی خصوصیت کی طرف اقبال یوں اشارہ کرتے ہیں:

غرق اندر رزم خیر وشر ہنوز

صد پیغمبر دیدہ و کافر ہنوز

اقبال کے تصورِ خودی کی تصویر ہمیں اس کے تصورِ ابلیس میں بھی دکھائی دیتی ہے۔ اقبال کے ہاں شیطان ہمیشہ سرگرداں اور مسلسل تگ ودو میں لگا نظر آتا ہے۔ ایک نظم میں ابلیس کہتا ہے کہ وہ جب سے اس جہاں میں آیا ہے اسے کبھی چھٹی نہیں ہوئی یعنی چھٹی نام کی کوئی چیز اس کے ہاں نہیں ملتی۔ اسے ڈر ہے کہ کہیں اس بھولے بھٹکے مسلمان کو ہوش نہ آ جائے۔ کہیں اس کی خودی بیدار نہ ہو جائے۔ اگر ایسا ہوا تو یہ بندۂ مومن ابلیسیت کا خاتمہ کر دے گا۔ اس تصور سے اگرچہ ابلیس کی بڑھائی بیان ہوتی ہے کہ وہ مسلسل عمل کے جذبے سے معمور ہے لیکن حقیقت میں اقبال اس کے کردار سے مسلمانوں کو دعوتِ عمل دیتے ہیں۔ ''ابلیس کی مجلسِ شوریٰ'' اس سلسلے کی طویل ترین نظم ہے، جس میں ابلیس اور اس کے مشیر مکمل طور پر اپنے مشن پر رواں دواں ہیں اور شیطان کی قیادت میں وہ دُنیا میں پھیلائے ہوئے اپنے شیطانی نظام: جمہوریت، سرمایہ داری، اشتراکیت اور مسلمانوں کو عالم کردار سے بیگانگی میں پختہ تر کرنے میں محو دِکھائی دیتے ہیں۔ جب ابلیس کا مشیر اپنے آقا کی تعریف کرتا ہے تو درحقیقت وہ شیطان کے بارے میں اقبال کے خیالات کا عکاس بنتا ہے:

اے ترے سوزِ نفس سے کارِ عالم استوار
تو نے جب چاہا کیا ہر پردگی کو آشکار

کام تھا جن کا فقط تقدیس و تسبیح و طواف
تیری غیرت سے ابد تک سرنگوں و شرمسار

پھر ابلیس خود اپنے بارے میں کہتا ہے کہ:

ہے مرے دستِ تصرف میں جہانِ رنگ بو
کیا زمیں ، کیا مہرومہ ، کیا آسمانِ تو بتو

میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
مَیں نے توڑا مسجد و دیر وکلیسا کا فسوں
(ا۔ح: ۵۳۳)

اقبال، تصورِ ابلیس کے حوالے سے عطار، رومی، محی الدین، ابنِ عربی، دانتے، مارلو، ملٹن اور گوئٹے سے متاثر دِکھائی دیتے ہیں۔ انھوں نے ان سب ادیبوں کے تصورِ ابلیس کا بنظر غائر مطالعہ کیا ہے۔ مثلاً ''ابلیس و یزداں'' کے درمیان مکالمہ میں محی الدین ابنِ عربی سے متاثر دِکھائی دیتے ہیں۔ مقالمہ ''جبریل و ابلیس'' اور ''نالۂ ابلیس''؛ میں وہ گوئٹے کے ڈرامہ ''فاؤسٹ'' سے متاثر ہیں۔

''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' میں وہ ملٹن کی فردوس گم گشتہ کے بہت قریب ہیں۔ ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' کا سارا ڈرامائی منظر، ابلیس اور اس کے مشیروں کے کردار اور ان کرداروں کی زبانی تقاریر یا مختلف طرح کے مشورے ملٹن کی ''فردوسِ گم گشتہ'' کے ماحول کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ ابلیس کے بے تعطیل جمعہ رہنے کی جوبات اقبال نے ''فلکِ مشرق'' والے حصے میں لکھی ہے یہ زکریا قروینی کی کتاب ''عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات'' میں بھی ملتی ہے۔

لیکن یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اقبال کی تمام شاعری ان کے مخصوص فلسفۂ خودی کی ترجمان ہے۔ انھوں نے مشرق و مغرب کے بیشتر فلسفیوں کو پڑھا ضرور ہے لیکن ان کی فکر کی پختگی مغربی ادیبوں کی بدولت نہیں بلکہ قرآن وحدیث کی بدولت ہے۔ وہ ہر جگہ خودی کا پرچار کرتے ہیں اور انسان کو لامحدود طاقت اور جرأت کا سرچشمہ سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں جب انسان اپنی خودی کو پہچان لیتا ہے تو وہ کائنات کو تسخیر کر سکتا ہے۔ شیطان کے کردار کو پیش کرنے کی بھی وجہ یہ ہے کہ وہ اس کے ذریعے نثرادِنو کو فراق، آرزو، جستجو، سوز و گداز اور تڑپ کا پیغام دینا چاہتے ہیں تاکہ وہ اپنے عزمِ صمیم سے ایسے راستے کا مسافر بنے جہاں اس کی نظریں ستاروں سے آگے والے جہان پر مرکوز ہوں۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ مشرق میں اقبال واحد شاعر ہیں جنھوں نے اپنے فکر و فلسفہ کی روشنی میں ابلیس کے کردار کو اس طرح پیش کیا کہ اب وہ مغرب کے لیے بھی ابلیس سمیت دوسرے فکری موضوعات میں باعث تقلید بنتے جارہے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۱۹۹۵ئ، ص: ۲۳۱

۲۔ اقبال، کلیاتِ اقبال، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۲ئ، ص: ۴۳۵

۳۔ ایضاً، ص: ۲۵۷

4. John Keats, Famous Poetry with Hyperion, Lahore: New Kitab Mahal, 2002, P:182

5. Emily Dickonson, Emily Dickinsons Poetry, Lahore: New Kitab Mahal, 2002, P:85

۶۔ اقبال، کلیاتِ اقبال (اردو)، ص: ۲۳۱

۷۔ ایضاً، ص: ۵۳۳

۸۔ ایضاً، ص: ۵۰۳

۹۔ عبدالحکیم، خلیفہ، ڈاکٹر، فکرِ اقبال، لاہور: بزمِ اقبال، ص: ۶۳۱

☆......☆......☆